مسند ائمۂ اہلبیتِ طاہرینؑ

انتخاباتِ احادیثِ مسند کافی ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازیؒ

م ۳۲۹ سنہ ھ

از

مجتہد العصر حضرت علامہ سید مجتبیٰ حسن موسوی کاموں پوری سبزواری
طاب ثراہ
سابق صدر شعبۂ دینیات شیعہ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

حرفِ اوّل

(۱) علامہ شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی کی کتاب کافی سے ان مسند حدیثوں کو لیا گیا ہے۔ علامہ کلینی کی شہرت کسی سرسری تبصرہ سے مستغنی ہے۔ خود آفاقی وجاہت حاصل کی۔ آپ کا خاندان بھی علمی وقار کا مالک تھا۔ آپ کے ماموں علان کلینی رازی سے بھی اہلِ علم واقف ہیں۔ ثقۃ الاسلام نے ۲۰ سال کی مدت میں کافی کی تدوین کی۔ اس کتاب کی جامعیت نے جمہور مسلمین کی کتبِ احادیث میں ائمۂ اہلبیت کے مرویات کی کمی کے خلا کو پُر کیا۔ ابن اثیر نے جامع الاصول میں آپ کو تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ملتِ جعفری کا مجدد لکھا ہے۔ ۳۲۹ھ میں بغداد میں آپ کی وفات ہوئی۔ محمد بن جعفر حسنی ابو قیراط نے آپ کی نمازِ میت پڑھائی۔ باب کوفہ میں دفن کیے گئے۔ اس سال آخری سفیرِ امام عصر ابوالحسن علی بن محمد سمری کا بھی انتقال ہوا۔ کافی غیبتِ کبریٰ سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔ میں نے مختلف نقطۂ نظر سے کافی پر کام کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس کی صحیح حدیثوں کو جدا کر کے صحیح کافی کلینی ترتیب دی ہے۔ تجرید و انتخاب کافی کلینی کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے جس میں اسناد کو حذف کر دیا گیا ہے، اُن حدیثوں کو ترک کر دیا گیا ہے جن کی صحت سے علماء درایت و تاریخ و سیرت مطمئن نہیں ہیں نئے عنوانات قائم کر کے حدیثوں سے مقالات تیار کیے گئے ہیں۔ مسند اہلبیت کافی بھی اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔ حدیثیں مختلف مقامات سے جمع کی گئی ہیں۔ ان کو فکر کے رشتہ میں منسلک کیا گیا ہے۔ حدیثوں کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ضروری تشریح کی گئی ہے۔ تشریح میں قرآن و حدیث، فلسفہ و اخلاق و معاشرہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔ مسند میں احادیث، عقائد توحید، صفات، احکام۔ رقاق (زہد) آداب و سیرت و تفسیر و تاریخ و فتن و مناقب پر روشنی ملے گی۔ مسند ائمہ کی تائید میں کہیں کہیں جمہور کے مصادر کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ مسند صرف کافی کلینی کی حدیثوں سے تیار کیا گیا ہے۔ اس طرح میں نے مختلف نقطۂ نظر سے بہت سے مسانید اہلبیت تیار کیے ہیں۔ جمہور کی کتبِ احادیث سے بھی مسانید اہلبیت تیار کیے ہیں اُن میں جو منسوب حدیثیں ضروریاتِ دین سے متفق نہیں ہیں اُن کی تنقید کی گئی ہے۔

(۲) کافی کی اصطلاحیں۔ (۱) عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عیسیٰ میں عدہ سے مراد محمد بن یحییٰ عطار۔ محمد بن موسیٰ کمندانی۔ داؤد بن کورہ۔ احمد بن ادریس۔ علی بن ابراہیم بن ہاشم — عدہ من اصحابنا۔ عن احمد بن محمد بن خالد سے علی بن ابراہیم ابن ہاشم۔ علی بن محمد بن عبداللہ بن اذینہ۔ احمد بن عبداللہ بن اُمیہ علی بن حسن مراد ہوں گے۔ عدۃ من اصحابنا۔ عن سہل بن زیاد سے علی بن محمد علان۔ محمد بن عبداللہ۔ محمد بن حسن۔ محمد بن عقیل کلینی مراد ہوں گے۔

ائمۂ اثنا عشر

۱۔ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ۔ ولادت ۱۳ر رجب عام الفیل ۶۳ سال شہادت ۲۱ر رمضان ۴۰ھ

۲۔ ابو محمد۔ زکی۔ امام حسن۔ ولادت ۱۵ر رمضان ۳ھ ۴۷ سال۔ شہادت ۷ر صفر ۵۰ھ

۳۔ ابوعبداللہ الحسین شہید۔ ولادت ۳ر شعبان ۴ھ ۵۷ سال۔ شہادت ۱۰ر محرم ۶۱ھ

۴۔ ابوالحسن۔ سجاد۔ زین العابدین۔ علی بن حسین۔ ولادت ۵ر شعبان ۳۸ھ۔ ۵۷ سال شہادت ۱۲ر محرم ۹۵ھ

۵۔ ابوجعفر اول۔ محمد باقر ولادت ۳ر صفر ۵۷ھ۔ ۵۷ سال، شہادت ۷ر ذی الحجہ ۱۱۴ھ۔

(۶) ابو عبداللہ جعفر صادق۔ ولادت ۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ۔ ۶۵ سال۔ شہادت ۱۵ رجب سنہ ۱۴۸ (احدھما باقر یا صادق)

(۷) ابو ابراہیم ابوالحسن اول۔ ماضی۔ عبد صالح۔ شیخ۔ موسیٰ کاظم۔ ولادت ۳ صفر سنہ ۱۲۸ھ۔ ۵۵ سال۔ شہادت ۶ رجب سنہ ۱۸۳ھ

(۸) ابوالحسن ثانی۔ علی رضا۔ نقیہ۔ ذی قعدہ سنہ ۱۴۸ھ ۵۵ سال۔ شہادت ۱۷ صفر سنہ ۲۰۳ھ

(۹) ابوجعفر ثانی۔ جواد۔ محمد بن علی۔ ولادت ۱۰ رجب سنہ ۱۹۵ھ ۲۵ سال۔ شہادت ۱۰ رجب سنہ ۲۲۰ھ

(۱۰) ابوالحسن ثالث۔ ہادی۔ ولادت ۲ رجب سنہ ۲۱۲ھ۔ ۴۱ سال۔ شہادت ۳ رجب سنہ ۲۵۴ھ

(۱۱) ابو محمد حسن عسکری۔ ولادت ۸ ربیع الاول سنہ ۲۳۲ھ ۲۸ سال۔ شہادت ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ۔

(۱۲) ابوالقاسم۔ صاحب امر۔ مہدی آخر الزماں۔ ولادت ۱۵ شعبان سنہ ۲۵۴ھ۔ غیبت صغریٰ سنہ ۲۶۰ھ غیبت کبریٰ سنہ ۳۲۹ھ

رسولؐ کا دینی مقام

جزیرہ نمائے عرب۔ افریقہ۔ ایشیا۔ یورپ کے تین براعظموں کے درمیان واقع ہے۔

اسلام کے پہلے ساری دنیا ہی اخلاقی، معاشرتی اور دینی نقطۂ نظر سے تاریکی میں پڑی ہوئی تھی۔ عرب کی حالت سب سے بدتر تھی۔ اس میں مختلف قبائل اور مذاہب آباد تھے۔ بت پرستوں کی اکثریت تھی۔ حضرت ابراہیم شیخ الانبیاء نے توحید کی تبلیغ کے لئے خانۂ خدا کی بنیاد ڈالی تھی۔

ایک وقت وہ آیا جب اُسے بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز بنا لیا گیا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ بت شکن حضرت ابراہیم و اسماعیل و حضرت مریم کے بُت بنا کر اُس میں رکھے گئے۔ غیرت و وحشت کا یہ عالم تھا کہ عورت مرد سب برہنہ تنوں کا طواف کرتے تھے۔

اقتصادی اعتبار سے یہ ملک خود کفیل نہ تھا۔ یہاں کی زمین زراعت کے قابل نہ تھی۔ کشمکشِ حیات نے انھیں خود غرض، تنگ نظر، کم ہمت و انتقام پسند و کینہ جو بنا رکھا تھا۔ جنگ اُن کا ذریعۂ معاش تھی۔ طاقتور قبیلہ کمزور قبائل سے حق زندگی چھین لینا۔

بچوں کو تیروں کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیتے۔ دشمن کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ کر زمین پر ڈال دیتے کہ تڑپ تڑپ کر مرے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالتے۔ عورتیں دشمن کشتوں کے اعضاء تناسل کاٹ کر گلے کا ہار بنا لیتیں (مقتول کا خون پی جائیں، اُس کا کلیجہ نکال کر چبا جائیں)۔

جنگی قیدیوں سے وہ کسی رحم و کرم سے واقف نہ تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو قتل کرتے۔ انھیں آگ میں جلا دیتے ـــــ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسان کا خون بہایا جاتا۔ لڑکی کی پیدائش انھیں ناپسند تھی۔ بعض قبیلے تو لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ سوتیلی ماں انھیں ورثہ میں ملتی۔ شادی کی کوئی حد مقرر

نہ تھی۔ مرد کی ہوس و دولت کا جس قدر تقاضا ہوتا شادیاں کرلیتے۔

شراب خواری، زنا کاری، سود کا لین دین، جوا کھیلنا سماج کی نظر میں معیوب نہ تھا۔ عرب کے امیر الشعراء امرء القیس نے ایک قصیدہ میں اپنی پھپھی زاد بہن سے بدکاری کو بڑے فخر سے بیان کیا ہے۔ بارہ لاکھ مربع میل صحرا میں یہ قوم آباد تھی۔ اُس کے دل و دماغ پر صدیوں سے وحشت و جہالت و خودسری و بے آئینی کا جنون مُسلط تھا۔

آج جس مقام پر مکہ معظمہ ہے، چار ہزار سال پہلے یہ جگہ ایک ویرانہ تھی۔ ہر طرف خشک پہاڑ تھے۔ بیچ میں پتھریلی زمین تھی اُس پر کنکروں کی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ حکمت ربانی نے طے کیا کہ انھیں ذروں کو ساری دنیا کی ہدایت کے آفتاب کا مطلع قرار دیا جائے۔ حضرت ابراہیم اشارۂ ایزدی کے ماتحت اپنی بیوی ہاجرہ اور فرزند اسماعیل کو اس ریگ زار میں چھوڑ گئے۔ رفتہ رفتہ یہاں بعض دوسرے قبیلے بھی آباد ہونے لگے۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کی مدد سے یہاں ایک مسجد بنائی اور خدا سے دعا مانگی "معبود! اس ویران زمین پر بسنے والی قوم کو معاشی زندگی کو خوشحال بنا اور ان کی ہدایت کے لئے اپنا رسول بھیج۔"

دعائے خلیل کے ڈھائی ہزار سال بعد ۵۷۱ء میں حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی قریشی مکی پیدا ہوئے۔ پیدائش سے کچھ دنوں پہلے والد کا انتقال ہوچکا تھا۔ ابتدا میں ماں اور دادا کی تربیت میں رہے۔ چھ سال کی عمر میں ماں کی وفات بھی ہوگئی۔ ۸ سال کے ہوئے کہ دادا بھی رحلت کرگئے۔

اُس وقت سے جوانی کے زمانے تک اپنے مہربان و دانشمند حضرت ابوطالب، اور پیاری چچی حضرت فاطمہ بنت اسد کی اتھاہ محبت سے والدین کی شفقت و مہر کا لطف پاتے رہے۔ تیرہ چودہ سال کی عمر میں چچا کے کاروانِ تجارت کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ آپ قوم کی انسان بیزاری اور جنگجوئی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

مکہ کے بعض نیک دلوں نے حلف المعقول کے نام مظلوموں سے تعاون کے لئے ایک انجمن قائم کی تھی۔ آنحضرت نے اُس کا خیر مقدم کیا۔ دوسرے ممبروں کی طرح امنِ عامہ کی حفاظت، مظلوموں اور مسافروں کی حمایت اور غریبوں کی دستگیری کا عہد کیا۔

زندگی کے اس دور تک مکہ میں آپ کی پاکبازی اور خدمت خلق سے لوگ پوری طرح واقف ہوگئے۔ آپ کی پاکبازی، خداپرستی و انسان دوستی کی خبروں سے متأثر ہوکر مکہ کی سب سے بڑی دانشمند خاتون حضرت خدیجہ نے آپ سے استدعا کی کہ اُن کے تجارتی کارواں کی نگرانی کریں۔ ان کو دوسروں کے مقابلہ میں دگنا منافع دینا منظور کیا۔ یہ سفر آپ کا بہت کامیاب رہا۔ جہاں گئے امانت و انسانیت، عدالت و صداقت کے چراغ جلاتے رہے۔

حضرت خدیجہ دولت مند، مآل اندیش و بلند نظر خاتون تھیں۔ مکہ میں "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ عرب کے سرداران قبائل ان سے رشتے کے بڑے آرزومند تھے لیکن ان کو مطلوبہ صفات کسی میں نہ ملے۔ مکہ کے اس ہاشمی مطلبی امین و پاکباز کے اعلیٰ صفات سے وہ بہت زیادہ متأثر ہوئیں۔ ان تاثرات نے رشتۂ ازدواج کی شکل اختیار کرلی۔

یہ شادی مقاصد محمدی کی اشاعت میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ باوفا، ایثار پسند، حق دوست شریک زندگی نے اپنی ساری دولت و ثروت حضرت کے اختیار میں دے دی۔ پریشاں حالی ذہنی سکون میں تبدیل ہوچکی تھی۔ اس کے باوجود مشاغل زندگی وہی تھے جو پہلے تھے۔ زندگی میں سادگی وہی رہی جو پہلے تھی۔ عبادت کا شوق وہی تھا جو پہلے تھا۔ دولت

نے اتنا فرق کیا کہ سماج کے دکھ درد کو کم کرنے میں پہلے سے زیادہ حصہ لینے لگے تھے۔۔۔ اس نکاح کے پندرہ سال بعد خلعتِ نبوت و رسالت سے رب العزت نے آپ کو آراستہ کیا۔ حضرت خدیجہ کے احساسات پہلے ہی سے آنحضرت کے اخلاق و کمالات کی خوشبو سے معطر تھے۔ آپ کی نبوت کے اقرار کی طرف آپ کا دل اس طرح کھنچا جیسے لوہے کو مقناطیسی کشش کھینچ لیتی ہے نبوت کے پہلے حجر اسود کے نزاعی مسئلہ کے حل سے اہل مکہ پر آپ کی مصالحت پسند دامن جو ذہنیت کا اثر پڑ چکا تھا۔

مکہ میں تعلیم و تربیت کا کوئی مرکز نہ تھا کسی سے آپ نے تعلیم نہیں پائی۔ البتہ ذات باری آپ کی معلّم تھی۔

نبوت سے پہلے چالیس سال عرب کی جاہلی و معصیت کار فضا میں ایسی معصومانہ زندگی گزاری کہ وہ بعد کے ۲۳ سالوں میں ہمیشہ کرشمۂ اعجاز خیال کی گئی۔

حکیم عرب حضرت ابوطالب آپ کے چچا اور مربی تھے۔ آپ کا عہد طفلی و جوانی آپ کے سامنے گزرا۔ ان سے زیادہ آنحضرت کے نفسیات و کردار سے کون واقف ہو سکتا تھا ـــ بے ساختہ اُن کی زبان پر یہ فقرہ آگیا ـــ میں نے بچپنے میں محمد کو جھوٹ بولتے، ہنسی مذاق کرتے، جہالت کرتے یا لڑکوں کے ساتھ پھرتے ہوئے کبھی نہیں پایا

اسی پاکبازی کا یہ اثر تھا کہ قریش کے ایک رئیس نضر بن حارث کے منھ سے نکل گیا۔

"محمدؐ تمھارے سامنے بچے تھے۔ جوان ہوئے۔ وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور راست گو و راستباز تھے۔ اُس وقت تم نے اُن پر کوئی بے اعتمادی ظاہر نہیں کی۔ مگر اب جب کہ بالوں میں سفیدی آ چکی ہے تم انھیں (معاذ اللہ) ساحر، کاہن اور شاعر کہہ رہے ہو۔

حضرت کی یہ پاک و لطیف زندگی مخالفینِ نبوت کے لئے نگاہِ قدرت میں ایک پُر طاقت چیلنج قرار پا گئی لسانِ قدرت نے صحیفۂ نورانی میں آپ کے اس تاریخی استدلال کا ذکر کیا ہے :-

فقد لبثت فیکم عمرًا من قبله ۔ افلا تعقلون (۱۱/۱۴ یونس) میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ اب بھی تم مجھے نہیں سمجھتے"۔

یہ آواز عرب کی فضا میں ۲۳ سال تک گونجی۔ کسی کو یارا نہ ہوا کہ گزشتہ زندگی پر کوئی حرف گیری یا نکتہ چینی کرتا۔

چالیس سال کی عمر میں ۶۱۰ھ میں غار حرا میں فرشتۂ الٰہی نے آپ کو نبوت و رسالت کی ذمہ داری سونپی۔ تین سال تک آپ نے رازداری کے ساتھ مخصوص اہلِ دل کو اسلام کی دعوت دی اس کے بعد تبلیغ عام پر مامور ہوئے۔ اعلانِ نبوت کے بعد دوست دشمن ہو گئے عزیز بیگانے ہو گئے۔ مداح اعتراض کرنے لگے۔ سختیاں شروع ہوئیں اور ان میں شدت پیدا ہوتی رہی۔ نئے ساتھی بھی ملتے رہے۔ قریش کا اشتعال بڑھتا رہا۔ آنحضرت نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ حبش ہجرت کر جائیں اور اپنی جان و آبرو کی حفاظت کریں۔ پھر بھی قریش کی برہمی کم نہ ہوئی۔ اُن کے طیش نے آنحضرت اور اُن کے مددگاروں کے بائیکاٹ کی متفقہ تجویز منظور کر لی۔

آنحضرت اور آپ کے ہمدرد شعبِ ابوطالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ غذائی بندش سے درختوں کے پتے کھانے کی نوبت آ گئی۔ تین سال کی طویل ناکہ بندی کے بعد یہ دورِ مصیبت ختم ہوا۔ محاصرہ ٹوٹنے کے بعد آنحضرت نے گردو نواح کے قبائل کا رُخ کیا۔ تقریباً پچاس جگہوں میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ شعبِ ابی طالب کی مصیبتیں حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے لئے

جان پر اثابت ہوئیں۔ چھ مہینے کے اندر اندر دونوں اسلام کو پیارے ہو گئے۔

ان دونوں کا قریش پر کافی اثر تھا۔ ان کی ہیبت و اثر و تنظیم سے سب مرعوب تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک آنحضرت کے خلاف آخری قدم اُٹھانے میں ہچکچاتے رہے۔

سنہ ۱۱ نبوی میں یثرب کے ۶ انصار مسلمان ہو گئے۔ دوسرے سال ۱۲ انصار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ بہت جلد یثرب کے ایک ایک گھر میں اسلام کے لئے دلوں کے دروازے کھولے جانے لگے۔

سنہ ۱۳ نبوی میں آنحضرت نے صحابہ کو اجازت دی کہ وہ یثرب ہجرت کر جائیں۔ دردرسیدہ مسلمان نئی پناہ گاہ کی طرف جانے لگے۔ انصار نے آنحضرت سے یثرب کو مرکزِ دعوت بنانے کی خواہش کی۔

جب قریش کو خبر ہوئی کہ یثرب کو مرکزِ دعوت کے بنانے کی تجویز آنحضرت نے منظور کر لی اور آج کل ہی میں آپ بھی ہجرت کرنے والے ہیں تو اُنھوں نے دارالندوہ میں یہ طے کیا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک مسلح نوجوان چن لیا جائے اور وہ سب مل کر آپ پر حملہ کر کے زندگی کا خاتمہ کر دیں تاکہ آپ کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے اور انتقام کی کسی کو ہمت ہی نہ ہو۔ قلمِ قدرت نے اس سازش کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔

"اے رسول اُس وقت کو یاد کرو جب کافر تم سے فریب کر رہے تھے اور خدا اُن کے فریب کی کاٹ کر رہا تھا۔"

(۳۱/۹ انفال)

آنحضرت اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو سُلا کر دشمنوں کے حلقے سے گزرتے ہوئے چلے گئے اور کسی کو احساس نہیں ہوا۔ آپ یثرب پہنچ گئے۔ آپ کے ورود کے بعد یثرب کا نام مدینہ ہو گیا۔ مدینہ اسلام کا دارالحکومت قرار پا گیا۔

مشرکینِ مکہ کو نئے وطن میں بھی مسلمانوں کی زندگی گوارا نہ ہوئی۔ وہ برابر جارحانہ حملے کرتے رہے۔ بدر و احد و خندق کے معرکے پیش آئے جس میں اُنھیں ناکامیوں کا منھ دیکھنا پڑا۔ سنہ ۶ھ میں آپ کی قیادت میں ڈیڑھ ہزار مسلمان عمرہ بجالانے کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد حدیبیہ کا صلح نامہ ہو گیا۔ طے پایا کہ آیندہ سال مسلمان عمرہ کے لئے آئیں مگر غیر مسلح اور تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔

صلحنامہ میں یہ بھی طے پایا کہ قبائل کو اختیار ہوگا کہ جس کے چاہیں حلیف بن جائیں۔ دس سال کے لئے ناجنگ معاہدہ ہو گیا۔ وقائع سے جو وقت بچا اُسے آنحضرت نے امراء و سلاطین کے پاس اپنی سفارتیں بھیجیں۔ اسلام کو فروغ ہوا۔ قبائل کے وفد اسلام کے تعارف کے لئے اپنے اپنے مقام سے چل کھڑے ہوئے۔

جنگ پسند مشرک قریش صلح کے معاملے میں بے صبر نکلے۔ معاہدہ کے دوسرے ہی سال مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کو قتل کر دیا گیا۔ عہد شکنی اور جارحانہ حملے کے نتیجہ میں ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو دس ہزار مسلم جوانمرد بغیر کسی مزاحمت کے مکہ میں داخل ہو گئے۔ فتح و نصرت نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ایک موقع پر آنحضرت نے ایک عظیم اجتماع میں توحیدِ معبود اور مساواتِ انسانی پر مؤثر و دلگداز تقریر میں فرمایا۔

"آج جاہلیت کے تمام غرور، تمام خوبی
تمام خون بہا کا خاتمہ ہو گیا۔ تمام انسان آدم
کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

آنحضرت نے ہجرت کے دسویں سال اپنے عہد کے سب سے بڑے اجتماع کے ساتھ آخری حج ادا فرمایا۔ حج کے بعد واپسی میں غدیرِ خم میں ٹھہرے اور اپنے بعد دین کی تشریح کی ذمہ داری خدا کے حکم سے مجمعِ عام میں حضرت علیؑ کو سونپی اور حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان فرمایا۔ قرآن کی آیت نے اُس دن اسلام کی

صحیفہ پر تکمیلِ دین کی مہر کر دی (اکملت لکم دینکم)
(۳/۵ مائدہ)

حج سے واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۲۸ صفر ۱۱ھ میں آپ کی وفات ہو گئی۔

آنحضرت نے دنیا کو توحید کا سبق دیا۔ انسان پر علم و حکمت کی تحصیل لازمی قرار دی۔ جہالت و بے خبری کی مذمت کی۔ توہم پرستی، اسلاف کی اندھی پیروی سے روکا۔ ہر معاملے میں عقل و دانش کے استعمال کی تعلیم دی۔ انسان کو اپنی تمام صلاحیتوں کو ترقی دینے اور ان کو صحیح مصرف میں استعمال کی ہدایت کی۔ اسرارِ کائنات کے معلوم کرنے کی حوصلہ افزائی کی اور یہ سمجھایا کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ انسان کے فائدے کے لئے ہے۔

آپ نے قومی و نسلی و لسانی امتیازات کو ختم کیا۔ کردار کی قیمت بڑھائی۔ سیاسی و روحانی غلامی کی زنجیریں کاٹیں انسانی آزادی کا اعلان فرمایا۔ قیامِ امن و تعاونِ باہمی کو اپنے شرعی و اصلاحی احکام کی بنیاد بنایا۔ نیکی کی تلقین اور بدی کی روک تھام کو ہر مومن کا فریضہ قرار دیا۔ فرمایا امر و نہی کی مہم میں ہر شخص ذاتی طور پر حصہ لے اور جماعتیں بھی یہ فرض انجام دیں۔ ورنہ اخلاق و عادات کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ نہ سماجی زندگی میں ستھرائی پیدا ہو گی۔

آپ نے خاص حالات میں جنگ کی اجازت دی جس کے بغیر چارہ کار ہی نہ ہو جسے جنگ کے بجائے دفاع کا نام دینا چاہیئے۔ مدافعت کو بھی احتیاط و مروت و بلند نظری کا پابند بنایا تاکہ کم سے کم انسان کا جانی و مالی نقصان ہو۔ عورتوں، بچوں، مزدوروں، عبادت گزاروں پر تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ مقتولوں کے اعضا کاٹنے زخمیوں کی شکلیں بگاڑنے کی سخت روک تھام کی۔ جب دشمن پناہ مانگیں، ہتھیار رکھ دیں، بھاگ جائیں، صلح کی خواہش کریں۔ دفاع کا مقصد پورا ہو جائے تو پھر تلوار کے استعمال کو ناجائز قرار دیا۔

انسانی زندگی کے تمام گوشوں تک اصلاح و تعمیر کی روشنی پہنچا دی۔ غلامی کو ختم کرنے کے لئے غلام سازی کے تمام راستے بند کر دیئے۔ شرعی جنگ کے سوا کسی اور ذریعہ سے غلام بنانے کی اجازت نہیں دی۔

بعض حالات میں غلاموں کی آزادی کو گرانقدر فضیلت و عبادت قرار دیا۔ یتیموں کے حقوق کی حفاظت کی۔ عام طور پر عورتوں کے درجہ کو بلند کیا۔ وراثت کا حق دیا اور ان کو اپنی ملکیت پر حسبِ مرضی جائز تصرف کا حق دیا۔ بیواؤں کی خبرگیری کی وصیت کی۔

اسلام کی اصلاح و ترقی کی دعوت پر کسی خاص قوم نسل و ملک کی اجارہ داری نہیں قرار دی بلکہ آپ کی دعوت کے مخاطب تمام دنیا کے انسان اور ہر عہد و دور کے بنی آدم بنائے گئے۔

"وہ خدا بہت بابرکت ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن نازل کیا تاکہ سارے جہان کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا ہو"
(۱۸/۱ فرقان)

"اے رسول ہم نے تم کو کل انسانوں کے لئے نیکی کے اچھے نتائج کی بشارت اور برائی کے ناگوار نتائج سے ڈرانے والا پیغمبر بنا کر بھیجا"
(۲۲/۲۸ سبا)

رسول خدا کی صداقت عقل و تاریخ کی گواہی سے ثابت ہے۔ سب سے بڑی دلیل آپ کی سچائی کی خود قرآن ہے۔ یہ زندہ کتاب ہے۔ جب تک انسان کا زندگی سے تعلق ہے یہ کتاب رہنمائی کرتی رہے گی۔

قرآن کی قوتِ قیادت، اندازِ بیان، طرزِ ہدایت

عبارت کی حلاوت، معنی کی گہرائی، دلائل کا استحکام، اس میں ماضی، حال و مستقبل کے نامعلوم حقائق کا وجود آنحضرت کی نبوت کی سچائی کا گواہ ہے۔

اس میں بہتر سے بہتر دین، بلند سے بلند تر تمدنی قوانین ہیں۔ اس میں اعلیٰ روحانیت کا صحیح تصور ہے۔ اعلیٰ عقلی و روحانی ترقی کے لئے جس قدر تعلیمات کی ضرورت ہے وہ سب اس میں ملتے ہیں۔ اس کے احکام اصول فطرت کے مطابق ہیں، حکمت پر مبنی ہیں، اختلافات و تضاد اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہیں۔

حدیث و فلسفہ کا فرق

رسول خدا مبلغ تھے (مائدہ - ۱۰) مفتی تھے (نحل ۱۶) معلم تھے (آلِ عمران ۱) خدا کی طرف سے حلال و حرام کے ترجمان تھے (اعراف - ۱۹۔ توبہ ۴۴) قاضی تھے (احزاب ۲) حکم تھے (نسا ۹، ۱۶) آپ کی زندگی حق پرستوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ (احزاب ۳) آپ کا اتباع بنی نوع پر فرض ہے (احزاب ۱۰، حشر ۱، محمد ۴۔ ن ۱۱) آپ ہادی تھے (نور)

آپ نے وضو غسل، نماز روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے احکام بتائے۔ جہاد و صلح، نکاح و طلاق، خرید و فروخت، فصلِ مقدمات، قومیات، داخلہ قیات، معاشرت و سیاسیات وغیرہ کے جملہ احکام کی طرف رہنمائی فرمائی۔

یہ ہمہ گیری صرف نبی و رسول میں ہوتی ہے۔ فلسفی نہ کبھی قوم کا رہبر ہوا نہ کبھی قوموں کے سدھار میں اس کا کوئی نمایاں حصہ رہا۔

فلسفی کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا ہے تو وہ اپنے معلومات و فکر کو بیدار کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں مسئلہ کا حل ڈھونڈھتا ہے۔ کبھی کامیابی ہوتی ہے کبھی ناکامی، نبی وحی و الہام سے روشنی لیتا ہے۔ وحی کی مدد سے وہ ہمیشہ صحیح جواب دیتا ہے۔ تجربے اور طویل مقارمات کی ترتیب سے وہ بے نیاز ہوتا ہے۔ وحی کے لامحدود سوتے سے نبی کا اتصال ہوتا ہے۔ فلسفی کا علم محدود ہوتا ہے۔

فَلَوْ زَادَ افلاطونُ اَوْتابَ قدسیہ وَلَمْ یَعشہ عنہا سواطع انوار رای حکمۃً قدسیۃً کا یشنہ بہا۔ شوائبُ اَنظارٍ وَاَذناس افکار

انبیاء و مرسلین کے افکار و ارشادات یقینی ہوتے ہیں۔ فلسفیوں کے یہاں مفروضات اور بشری اوہام بھی ہوتے ہیں۔ نبی حسی و معنوی معجزات سے بھی سرفراز ہوتا ہے۔ فلسفی کا سرمایہ دوسرے انسانوں کے افکار اور خود اس کی اپنی حد تک فکر ہوتی ہے۔ اسی کو تحلیل کرو جتنا چاہے فائدہ اٹھالے۔ پھر بھی اس کی کوتاہ ذہنی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

نبی کے خمیر میں ایک نور ہوتا ہے جس سے اس میں تمام فضائل سمٹ آتے ہیں۔

مشرکین نے رسول کو قتل کی دھمکیاں دیں۔ لالچ دی کہ حق بات کہنا چھوڑ دیں۔ یہ سختیاں عزم کو کمزور کرنے کے بجائے استحکام عزم کی باعث ہوئیں۔ اس لئے کہ حق بیانی آپ کے خمیر میں شامل تھی۔ رسول خدا کی حدیثیں حکمت و فلسفہ اور اسرار کائنات و رموز زندگی سے بھری ہوئی ہیں۔ دنیوی سود و بہبود اور اخروی فلاح سے مالا مال ہیں۔

حدیث کے اسالیب بیان

قرآن کی طرح حدیث کا بھی اسلوب ہے۔ اس کے مسائل ہیں۔ بعض حدیثیں اتنی آسان زبان میں ہیں کہ انھیں عوام بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اور بعض معنویت و بلاغت کے اس درجہ پر فائز ہیں کہ خود عرب بھی ان کی تشریح کے محتاج تھے۔

رسول خدا نے ایک بار فرمایا۔

اذا اراد اللہ بعبد خیراً عسّلہ،

صحابہ نے جن میں زیادہ تر عرب تھے "عسّلہ" کی مراد دریافت کی۔ فرمایا۔

"یفتح لہ بین یدیہ موتہ عملاً صالحاً یرضی بین یدی موتہ — حتی یرضی من حولہ[۱]

(مجازات نبویہ)

"خدا جب کسی انسان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُسے اپنے عمل میں مٹھاس محسوس ہونے لگتی ہے۔

عرب کا محاورہ ہے "عسلت الطّعام۔ کھانے میں شہد ڈال دیا۔

رسولِ خداؐ نے اپنی بیویوں سے فرمایا تھا۔

اسرعکن لحاقا بی اطولکن یداً[۲]

امہات المومنین عرصہ تک اس فقرے کا مفہوم نہ سمجھ سکیں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ ناپا کرتی تھیں کہ کس کا ہاتھ زیادہ لمبا ہے۔ حالانکہ حضرت کی مراد ہاتھ کی لمبائی سے لوگوں کے ساتھ زیادہ حُسنِ سلوک و مواسات تھی۔ جب ام المومنین زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تو یہ راز کھلا کہ ہاتھ کی لمبائی سے کچھ اور مراد تھی۔

۵۔

رسولؐ کے کلام کا ایک ماحول ہوتا تھا۔ صرف زباں دانی حدیث فہمی کے لئے کافی نہیں ہے۔

بعض صحابہ نے رسولِ خداؐ سے کہا۔

یا رسول اللہ انک لتاتینا بالکلام من کلام العرب ما نعرفہ ونحن العرب حقاً۔ فقال انّ ربی علّمنی فتعلّمت[۳]

(المسائل والاجوبۃ فی الحدیث واللغۃ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ م ۲۷۶ھ مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ)

اہلبیتِ رسولؐ کے سامنے اسلام کا پورا ماحول تھا۔ رسول اللہؐ کی مخصوص تربیت اُنھیں حاصل تھی۔ وہ قرآن و حدیث کے اسلوبِ بیان۔ اُس کے نکات۔ اس کے حقیقت و مجاز۔ استعارات و تشبیہات، اشارات و تلمیحات سے سب سے زیادہ واقف تھے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے:۔

ان اللہ علّم نبیّہ ما لتنزیل والتاویل فعلّمہ رسول اللہ علیاً۔ وعلّمنا واللہ[۴]

(کتاب الایمان فروغ کافی کلینی ص۲۱۱)

حدیث قرآن سے ماخوذ ہے لیکن ہر شخص میں یہ سکت نہ تھی کہ وہ ہر حدیث کا قرآن سے ماخذ بتا دے۔ لیکن ائمہ اہلبیت طاہرین کو قرآن و حدیث و سنّت پر اتنا عبور تھا کہ قرآن و حدیث کا مفہوم پوری روشنی کے ساتھ اُن کے ذہن میں جلوہ گر ہوتا تھا۔

ایک بار امام محمد باقرؑ نے اپنی بزم میں فرمایا۔ جب میں تم سے کوئی حدیث بیان کروں تو تم مجھ سے قرآن میں اُس کا ماخذ پوچھ سکتے ہو۔

گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ آپ نے ایک حدیث سُنائی۔

انّ اللہ کنی عن القیل والقال وفساد المال وکثرۃ السوال

جن لوگوں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے حضرت سے سُنا تھا کہ جب میں کوئی حدیث پڑھوں تو قرآن سے اُس کا ماخذ پوچھو۔ ایک صاحب نے حضرت سے پوچھا کہ اس حدیث کا ماخذ قرآن میں کیا ہے۔ حضرت نے حدیث کے تینوں فقروں کا ماخذ تین آیتوں میں بتا دیا۔

(۱) لا خیر فی کثیر من نجواکم (   )

---

[۱] "خدا جب اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو اُس کے کردار میں مٹھاس پیدا کر دیتا ہے"۔

[۲] "تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ بی بی ملے گی جو سب سے زائد لمبے ہاتھ والی ہے" [۳] "اے خدا کے رسول آپ ہمارے درمیان ایسا عربی کلام پیش کرتے ہیں جس کو ہم عرب ہوتے ہوئے بھی نہیں سمجھ پاتے تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے پڑھایا ہے پس میں نے اُسی سے پڑھا ہے"۔ [۴] "خدا نے اپنے نبی کو علم تنزیل اور علم تاویل سکھایا۔ پس رسولؐ نے یہ علم علیؑ کو سکھائے اور انھوں نے خدا کی قسم ہم کو بھی سکھائے"۔

(۲) ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل الله لکم قیاما (پ۴ نسا)

جس پر خدا نے تمھاری گزر بسر قرار دی ہے اسے بیوقوفوں کے ہاتھ میں نہ دے بیٹھو۔

(۳) لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم (پ۷ مائدہ)

مومنو۔ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تمھیں معلوم ہو جائیں تو تمھیں بری معلوم ہوں
(کتاب المعیشۃ فروع کافی ۱۱۸/۲)

قرآن وحدیث دونوں ہادی مگر قیم کی ضرورت

رسولخدا مخلوقات پر اللہ کی حجت تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسولخدا کے بعد کون حجت تھا۔ کہا جا سکتا ہے۔ قرآن — لیکن اسی قرآن سے مرجی۔ قدری۔ زندیق سب ہی استدلال کرتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن حجت تو ہے مگر اس کے لیے قیم کی ضرورت ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قیم کون ہے — بعینہ یہی سوال قرن اولیٰ میں بھی کیا گیا تو ابن مسعود وحذیفہ وغیرہ کا نام لیا گیا تھا کہ یہ لوگ قرآن سمجھتے ہیں۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ سارا قرآن سمجھتے تھے تو لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔ کہا۔ حضرت علیؑ کے سوا کسی کو پورے قرآن کا علم نہ تھا۔

جب کوئی مشکل مسئلہ آیا یہ لوگ کہتے۔ لا ادری۔ لا ادری۔ لا ادری۔ حضرت علی فرماتے تھے ادری — اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی قرآن کے قیم تھے۔ اُنھوں نے جو کچھ قرآن کے متعلق فرمایا وہ حق تھا۔
(اصول کافی، کتاب الحجۃ ص۹۷)

اہلبیت رسول۔ رسولخدا کی حدیث سے بھی کامل طور سے واقف تھے۔ آنحضرت کی حدیث کے مقاصد اور مقام سے سب سے زیادہ واقفیت انھیں حضرات کو تھی۔ رسول خدا سے اُن کی عقیدت عشق کے درجے میں تھی اور حدیث رسول کے بارے میں اُن کا علم قطعی و یقینی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسانید کی کثرت کے باوجود ہم کو مسندِ اہلبیت تیار کرنا پڑا۔

علم حدیث اور حضرت علی علیہ السلام

رسول خدا کی وفات کے بعد جو مسائل پیدا ہوئے اُن میں قرآن وحدیث کی جمع وتدوین کی خاص اہمیت حاصل ہے۔ کچھ لوگ قرآن وحدیث دونوں ہی کے جمع وتدوین کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ قرآن کے جمع پر رفتہ رفتہ ذہن آمادہ ہوئے اگرچہ اس میں بھی کافی تاخیر ہو گئی۔ مگر حدیث کی جمع وتدوین پر کسی طرح اس عہد کے ارباب اقتدار کا ذہن نہ جم سکا بلکہ اس اختلاف رائے کی تقویت میں رسول کی طرف ایک حدیث منسوب کرتے تھے:-

"لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ"

"میری بیان کی ہوئی باتیں نہ لکھو۔ اگر کسی نے قرآن کے سوا کچھ لکھ لیا ہے تو وہ اُسے مٹا دے۔"

امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث معلول ہے (فتح الباری ابن حجر عسقلانی شرح بخاری باب کتابۃ العلم) ہم پر بھی اس کی صحت ثابت نہیں ہے اور اُس کی جو توجیہ بیان کی جاتی ہے آج تک ہمارا ذہن اس کے قبول کرنے سے قاصر رہا۔

حضرت علیؑ نے جمع و تدوین قرآن و حدیث کو قریب ترین فرصت میں فریضۂ لازمی سمجھا

مات ابوبکر و لم یجمع القرآن و مات عمر و لم یجمع القرآن ــــ و قد ورد عن علی انه جمع القرآن علی ترتیب النزول عقیب موت النبیؐ۔ اخرجه ابن ابی داؤد۔ اتقان سیوطی قسم ۲۰ صـ۷۲

"ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ قرآن جمع نہیں کیا گیا۔ عمر کا انتقال ہو گیا۔ قرآن جمع نہیں کیا گیا۔ حضرت علی کے متعلق وارد ہے کہ رسول کے وفات کے بعد ہی اُنھوں نے ترتیب نزول کے مطابق قرآن جمع کیا تھا۔

حضرت علی کی گوشہ نشینی کے بارے میں جب حضرت ابوبکر نے پوچھا تو بتایا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا

"الیت ان لا ارتدی بردائ الا الی الصلوٰة حتی اجمع القرآن فزعموا انه کتبه علی تنزیله۔ قال محمد۔ فواصبت ذلک الکتاب الینا لکان فیه العلم (صواعق ابن حجر ہیتمی صـ۲۶ وسیلۃ النجاۃ ملا مبین فرنگی محلی صـ۱۲۰)

"میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا سوا نماز کے ردا استعمال نہ کروں گا ــــ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علی نے تنزیل کے مطابق قرآن جمع کیا تھا۔

محمد بن سیرین کہتے تھے اگر یہ کتاب ہم تک پہنچ گئی ہوتی تو اس میں بڑا علم پاتا۔"

امامۃ و سیاست ابن قتیبہ میں بھی حضرت علیؑ کا فقرہ نقل کیا ہے۔

حلفت ان لا اخرج و لا اضع ثوبی علی عاتقی حتی اجمع القران

"میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا نہ گھر سے باہر نکلوں گا نہ اپنے شانے پر اپنی عبا رکھوں گا۔"

تاریخ الخلفا سیوطی و مناقب خطب خوارزم فصل ۷ میں بھی یہ صراحت مذکور ہے۔

حضرت علی نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ منظر عام پر نہ آسکا۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانہ حکومت میں زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو جمع قرآن کی خدمت سپرد کی۔ ان لوگوں نے یہ کام انجام دیا۔ جمع قرآن میں تاخیر کی وجہ سے قراتوں میں اختلافات پیدا ہو گئے جن کی تعداد پچاس سے بھی زیادہ تھی۔ ان کی تعداد کم کرکے انھیں سات قراتوں میں محصور کیا گیا۔ اس کی سند میں رسول کی طرف یہ منسوب حدیث بیان کی گئی۔

ان القرآن نزل علی سبعة احرف"

امام جعفر صادق پر اس حدیث کی صحت ثابت نہ تھی فرماتے تھے۔

نزل علی حرف واحد من عند الواحد (مقدمہ تفسیر صافی محسن فیض صـ۵)

جمع حدیث میں بھی حضرت علی نے پیش قدمی کی۔ خود تدوین و تشریح حدیث میں حصہ لیا اور اپنے ساتھیوں سے بھی کام لیا اور شاندار خدمات انجام دیئے

حضرت عائشہ امیر المومنین کے بارے میں کہتی تھیں :-

"اما انه اعلم من بقی بالسنة"
(صواعق محرقہ ص۷۶، تاریخ الخلفاء ص۱۱۶، وسیلۃ النجاۃ ص۱۴۲)

ملا مبین نے وسیلۃ النجاۃ (ص۱۴۲) میں لکھا ہے :-

"حضرت علی حفاظ احادیث رسول میں سے ہیں اور صحابہ میں کثیر النقل ہیں۔ کتب مخبرہ میں حضرت کی احادیث مرفوعہ تقریباً ۶۰۰ ہیں۔ درحقیقت حضرت کی مرقومات ہزار سے زیادہ ہیں اور بعض الواب حدیث کے آپ فاتح اول ہیں۔ آپ سے پہلے کسی نے وہ ابواب نہیں کھولے"۔

— لوگوں نے حضرت علی سے اصحاب رسول کی بہ نسبت زیادہ حدیثوں کی روایت کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا :-

"جب میں آنحضرت سے پوچھتا تھا تو بتاتے تھے اور جب میں چپ رہتا تھا تو خود آنحضرت بیان فرماتے تھے۔" (تاریخ الخلفا سیوطی ص۱۱۶)

عہد رسول میں سب سے زیادہ مشغول شخصیت حضرت علی کی تھی۔ آپ آنحضرت کے عزیز خاص تھے۔ شاگرد و معتمد تھے۔

آنحضرت کی زندگی کے تمام اندرونی و بیرونی معاملات میں دخیل تھے۔ آپ آنحضرت کے مخصوص کاتب بھی تھے۔ خطوط۔ عہد نامے و صلحنامے لکھتے۔ اسلامی ریاست کے حکام کے لئے دستور العمل وغیرہ لکھتے۔ عہد رسول میں نزاعوں کے فیصلے بھی آپ کرتے (وسیلۃ النجاۃ ص۱۵۵)

"آپ شاہد رسالت تھے۔ (ہود ۱۲/۱۷ مودۃ القربیٰ ۱/۱۴)

آنحضرت نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا "اقضاکم علی"۔ جناب رسول خدا کی حدیث متواتر انا مدینۃ العلم و علی بابہا حضرت علیؑ کی اُن خصوصیات سے اُن کے قرآن و سنت پر بے مثال و بے پایاں عبور کا پتہ چلتا ہے۔ قاضی اور جج کے پاس ماخذ و احکام کا ذخیرہ ہونا ضروری ہے۔ حضرت علی پیدائش سے رسول کی وفات تک خلوت و جلوت میں اُن کے پاس رہے۔ اُس عہد کے کسی فرد و بشر کو یہ زریں موقع ہاتھ نہیں آیا۔ جناب رسول خدا کا سب کچھ اُن کے ذہن اور اُن کے مکتوبات میں محفوظ تھا۔ آنحضرت نے حضرت علی کو ایک صحیفہ املا کیا تھا۔ اُس کی وجوہ تو مسلمانوں کے ہر مکتب فکر میں ابرار سے ہمیشہ رہی اگرچہ جمہور کے بعض مصادر میں صرف اسی صحیفہ میں کتابت کا انحصار روایت طلب ہے پھر بھی اس صحیفہ پر تو سب ہی کا اتفاق ہے۔ صحیح بخاری کی عبارت حسب ذیل ہے۔

• ما کتبنا عن النبی الا القرآن و ما فی هذه الصحیفة

(بخاری باب اثم من عاہد ثم غدر)

یہ صحیفہ حضرت علی کو بہت عزیز تھا۔ چمڑے کے ایک تھیلے میں عموماً ان کے ساتھ رہتا تھا جس میں حضرت علی کی تلوار مع نیام کے رکھی رہتی تھی (صحیح مسلم تحریم الذبح لغیر اللہ)

محمد بن حنفیہ کو حضرت علی نے یہ کتاب دے کر حضرت عثمان کے پاس بھیجا تھا۔ اُس میں صدقہ کا بیان تھا۔ (البخاری باب ورع النبی وشعرہ و فعلہ)

اس میں زکوٰۃ کے علاوہ خوں بہا۔ اسیروں کی رہائی مسلم کے کافر کو قتل کرنے کا جرم۔ غیر کی طرف نسبی انتساب وغیرہ کے مسائل درج تھے

صحیح بخاری میں حسب ذیل ابواب میں اس صحیفے کے اقتباسات چھپے ہوئے ہیں

باب کتابۃ العلم۔ باب حرم المدینہ۔ باب بالفک الاسیر

باب ذمہ ۔ یسعیٰ بہا ادناہم ، باب العاقلہ ۔ باب لا یقتل المسلم بالکافر۔ باب یکرہ التعمق والتنازع فی العلم ۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ "

یہ صحیفہ تحقیق کا ایک اہم موضوع بن سکتا ہے اور اس پر ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے

مصنف عبدالرزاق بن ہمام صنعانی میں امام جعفر صادق کی یہ روایت پائی جاتی ہے۔

جعفر بن محمدؑ نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت فرمائی کہ رسول خدا کی تلوار کے قبضے میں ایک صحیفہ بندھا ہوا تھا اس میں تحریر تھا۔

" اللہ پر سب سے زیادہ گراں وہ شخص گزرتا ہے جو ایسے شخص کو قتل کر رہا ہو اور ایسے آدمی کو مار رہا ہو جس نے اسے نہیں مارا اور جو کسی قاتل کو پناہ دے اللہ قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ و معاوضہ قبول نہ فرمائے گا۔"

ان مصادر سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صحیفہ کافی ضخیم تھا۔ اس میں جدول زکوۃ ، مدینہ کو حرم قرار دینے کا اعلان ۔ دستور مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع درج تھا جس کی اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے اور اہلبیت کے ماحول میں بھی اس صحیفہ کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

محمد بن عذافر بن عیسیٰ صیرفی مدائنی امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کرتے تھے۔ کافی عمر پائی تھی۔ خوش قسمتی سے امام رضاؑ کا عہد بھی پایا۔ ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کیا

نجاشی نے ان کا ایک بیان نقل کیا ہے۔

عن عذافر الصیرفی مقال : کنت مع الحکم بن عتیبہ عند ابی جعفر فجعل یسئالہ ۔ وکان ابوجعفر لہ مکرما

فاختلفا فی شی

فقال ابوجعفر۔ یا بنی قم ۔ فاخرج لنا با مدو وجا عظیما ففتحہ ۔ وجعل ینظر حتی اخرج المسئلۃ

فقال ابوجعفر۔

ھذا خط علیؑ واملاء رسول اللہ واقبل علی الحکم بن عتیبۃ ۔ وقال یا ابا محمد اذھب انت ومسلمۃ وابو المقدام حیث شئتم یمیناً و شمالا۔

فواللہ لا یجدون العلم اوثق منہ عند قوم کان ینزل علیہم جبرئیل

(رجال نجاشی ص۲۵۵)

" عذافر صیرفی کا بیان ہے ۔ میں حکم بن عتیبہ کے ساتھ امام محمد باقرؑ کے پاس تھا ۔ وہ آپ سے کچھ پوچھ رہے تھے ۔ امام ان کی عزت کرتے تھے۔

کسی چیز میں دونوں میں اختلاف ہو گیا

امام نے اپنے فرزند سے فرمایا ۔ جاؤ لپیٹی ہوئی عظیم کتاب اٹھا لاؤ۔

حضرت نے اسے کھولا اور دیکھتے رہے یہاں تک کہ مسئلہ نکال لیا ۔ فرمایا۔

" یہ علیؑ کا خط ہے ۔ رسول اللہ کا املا ہے ۔ حضرت نے حکم بن عتیبہ سے فرمایا ۔ تم اور مسلمہ و ابو المقدام دائیں بائیں جدھر چاہیں جائیں ۔ بخدا معتبر علم ان لوگوں کے سوا کہیں نہ پائیں گے ۔ جن کے گھر میں جبرئیل نازل ہوتے تھے۔"

امالی شیخ صدوق (م ۳۸۱ھ) کی ستر سٹھویں مجلس (۳۵۲) میں صحیفہ علی کا ذکر امام جعفر صادق سے مذکور ہے ۔ کتاب علی کا ایک حصہ میں نے صحاح و مسانید و سنن و تفاسیر عامہ و خاصہ سے جمع کر لیا ہے

حضرت علی نے احادیثِ رسول کے جمع و تدوین و تشریح پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس زمانے میں حدیث کو وضع و اختلاق سے بچانے کی بھی کوشش کی۔

یزید بن حمیر نے عبداللہ بن عمیر صحابی سے سوال کیا "کیف حالنا" تو اُنھوں نے بہت غمناک جواب دیا۔ سبحان اللہ اگر وہ لوگ قبر سے اُٹھائے جائیں تو تمھیں پہچان بھی نہ سکیں۔ ہاں تم کو نماز پڑھتے ہوئے پائیں گے۔

دمشق میں زہری اور انس بن مالک کی ملاقات ہوئی۔ انس آبدیدہ تھے۔ زہری نے افسردگی کا سبب پوچھا۔ اُنھوں نے کہا۔ سوا نماز کے پہلے کی کوئی چیز باقی نہ رہی، نماز بھی ضائع کر دی گئی۔

ابو درداء صحابی ایک دن گھر میں داخل ہوئے تو ناراض معلوم ہوتے تھے۔ اُم درداء نے خفگی کی وجہ پوچھی تو کہا۔ بخدا میں اُن میں شریعتِ محمدؐ کی کوئی بات نہیں پاتا۔ بس اتنا ہے کہ یہ سب لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں۔

اس ماحول میں ابن عباس کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا گیا۔

فما الناس بالناس الذین عھدتھم
ولا الدار بالدار التی کنت تعرف

" نہ پہلے سے لوگ ہی رہ گئے اور نہ پہلے سے گھر رہ گئے۔"

(دقائق الکنوز ص۹ مقدمہ محمد حامد نقی مطبوعہ مصر ۱۳۶۹ھ)

حالات کی تبدیلی سے بعض حضرات کے تاثرات ہیں۔ حضرت علیؑ کے دل پر کیا گزر رہی تھی اس کا اندازہ ہر صاحبِ دل کر سکتا ہے۔

اس موقع پر امیر المومنین نے شریعت کے فروغ، دین کے احیا — اور حدیث و سنت کی صحت و نشر پر بھرپور توجہ مرکوز کی — ایک موقع پر فرمایا۔

"یا ایھا الناس۔ انما بدء وقوع الفتن اھواء تتبع واحکام تبتدع۔ یخالف فیھا کتاب اللہ یتولی علیھا رجال من رجالا (علی غیر دین اللہ نہج) فلو ان الباطل خلص لم یخف علی ذی حجی۔ ولو ان الحق خلص لم یکن اختلاف۔ ولکن یوخذ من ھذا ضغث ومن ھذا ضغث فیمزجان فیجیان معا فھنالک استحوذ الشیطان علی اولیائہ ونجا الذین سبقت لھم من اللہ الحسنی"

(ص۲ کتاب العلم اصول کافی)
(نہج البلاغہ خطبہ ۵۱ معمولی لفظی فرق)

(ترجمہ) "لوگو! خواہشات اور ایجادِ بندہ احکام کی پیروی سے فتنے واقع ہوتے ہیں جن سے کتاب اللہ کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس عمل کے لئے لوگ دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیتے ہیں۔ اگر باطل خالص ہوتا تو اہلِ عقل سے پوشیدہ نہ رہتا اور اگر حق خالص ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا۔ ہوتا یہ ہے کہ کچھ حق سے لیا جاتا ہے اور کچھ باطل سے اور دونوں کو ملا دیا جاتا ہے۔ اس طرح شیطان اپنے مریدوں پر چھا جاتا ہے اور وہی لوگ نجات پاتے ہیں جن پر پہلے سے خدا کی عنایت ہوتی ہے۔"

نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۰۸ میں سلیم بن قیس ہلالی نے امیر المومنین سے اس میں موضوع اور متعارض حدیثوں کے بارے میں سوال کیا۔ امیر المومنین نے اُس کے جواب میں جو تقریر فرمائی ہے اُس کی فنِ درایت و تاریخ تدوینِ حدیث میں بڑی اہمیت ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا:۔

لوگوں کے ہاتھوں میں حق و باطل، سچ اور جھوٹ ناسخ و منسوخ۔ عام و خاص، محکم و متشابہ، محفوظ و موہوم سب کچھ ہے۔

رسول خداؐ پر اُن کے زمانہ میں ہی جھوٹ باندھا گیا۔ آپ کو اپنی تقریر میں فرمانا پڑا۔

مَن كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار

"جو قصداً جھوٹ بات میری طرف منسوب کرتا ہے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنائے۔"

پھر فرمایا: ۔

"تمھارے پاس صرف چار طرح کے لوگ حدیث لاتے ہیں: ۔

(۱) منافق۔ جس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے۔ ایمان کا اظہار کرتا ہے اور بناوٹی اسلام رکھتا ہے۔ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا نہ کسی بُرے کام میں پڑنے سے جھجکتا ہے۔ وہ قصداً رسولخداؐ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر لوگوں پر کھل جائے کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو کوئی بھی اُس کی حدیث نہ قبول کرے اور نہ اُس کی بات کو صحیح سمجھے۔

لیکن لوگ کہتے ہیں یہ رسول اللہ کا صحابی ہے۔ اس نے آنحضرت کو دیکھا ہے۔ ان سے حدیثیں سنی ہیں۔ آپ سے علم حاصل کیا ہے۔ لوگ اُس کی باتوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے منافقوں کے بارے میں سب باتیں بتا دی ہیں۔ اور تمھیں اُن کو پوری طرح پہچنوا دیا ہے۔

—— پھر وہ لوگ آپ کے بعد باقی رہے۔ پھر ان لوگوں نے ائمۂ ضلالت اور داعیان جہنم کے یہاں جھوٹ اور بہتان سے رسوخ حاصل کیا۔ اُنھوں نے اُن کو عہدے دیئے، حاکم بنا کر عوام کی گردن پر مسلط کر دیا اور اُن کے ذریعہ خوب دنیا کا عیش کیا۔ عموماً لوگ بادشاہوں اور اہل دنیا کے ساتھ چلتے ہی ہیں، سوائے اُن چند لوگوں کے جنھیں اللہ بچا لیتا ہے۔

(۲) دوسرا وہ ہے جس نے کچھ رسولخداؐ سے سنا مگر پوری طرح یاد نہ رکھ سکا۔ اُس میں اُسے وہم ہو گیا۔ یہ جان کر تو جھوٹ نہیں بولا۔ یہی اُس کے پاس تھا اُسی کی اُس نے دوسروں سے روایت کی اور خود بھی اُس پر عامل رہا۔ وہ یہ کہتا رہا میں نے آنحضرت سے یہ سُنا تھا۔

اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اُسے وہم ہو گیا تو وہ اُس کی روایت نہ لیں۔ اُسے خود بھی اپنے وہم کا علم ہو جائے تو وہ اُسے چھوڑ دے۔

(۳) تیسرا وہ شخص ہے جس نے رسولخداؐ کو کسی امر کے بارے میں حکم دیتے ہوئے تو سُنا۔ پھر آنحضرت نے اُس کی نہی فرمائی۔ اس کی اُس کو خبر نہ ہو سکی۔ یا اُس نے آنحضرت کو کسی چیز سے روکتے ہوئے سُنا۔ پھر آنحضرت نے اس کا حکم دیا اس کا اُسے علم نہ ہو سکا۔ اس نے منسوخ یاد رکھا، ناسخ سے بے خبر رہا۔ اگر خود سے معلوم ہو جائے کہ یہ حکم منسوخ ہے تو وہ اُسے چھوڑ دے۔ اگر مسلمانوں میں کسی کو معلوم ہو جائے کہ یہ منسوخ حکم بیان کرتا ہے تو لوگ اُسے چھوڑ دیں۔

(۴) چوتھا شخص وہ ہے جس نے اللہ اور اُس کے رسول پر کبھی جھوٹ نہیں باندھا۔ وہ اللہ کے خوف اور رسول کی تعظیم کی وجہ سے جھوٹ سے نفرت کرتا ہے۔ اُسے کبھی وہم بھی نہیں ہوا۔ اُس نے جو سُنا اُسے پوری طرح یاد رکھا۔ اور اسی طرح اُسے بیان کیا۔ اُس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی حدیث ناسخ کو یاد رکھا اور اُس پر عمل کیا۔ منسوخ کو یاد رکھا اُس سے پرہیز کیا۔ وہ خاص و عام کو جانتا ہے اُس نے ہر حدیث کو اُس کے محل پر رکھا۔ متشابہ و محکم کو جانا۔

کبھی کبھی رسولخداؐ کے کلام کے دو رُخ ہوتے تھے۔ ارشاد خاص و ارشاد عام۔ اُسے ایسے لوگ سُن لیا کرتے تھے جو اس فرق کو نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ کا اس سے کیا مقصد ہے اور رسول کی کیا مراد ہے۔

یہ لوگ سُن تو لیتے تھے اور اُس کا کچھ مفہوم بھی متعین کر لیتے تھے مگر اُس کے معین معنی اور وجہ تک اُن

کی رسائی نہیں ہوتی تھی

اصحاب رسول میں سب کو پوچھنے اور سمجھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جب کوئی بدو باہر پردیسی آجاتا اور کچھ پوچھ لیتا تو یہ بھی سُن لیتے۔ مجھے جس بات کی بھی ضرورت پڑتی اُسے خود آپ سے پوچھ لیتا تھا اور اُسے یاد رکھتا تھا۔

یہ ہیں لوگوں کے احادیث و روایات میں اختلاف کے وجوہ و اسباب۔ کتاب العلم اصول کافی ص ۲۷ میں امیرالمومنین کا یہ بیان زیادہ تفصیل سے ہے

امیرالمومنین کا یہ ارشاد ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں حدیث کی روایت کا اُس وقت کا عام اصول اور حضرت علی کے حدیث فہمی کے اختصاص پر مکمل روشنی پڑتی ہے اور علماء روایت کے لئے حدیث کی جانچ میں اس بیان سے دین کو رہ نمائی حاصل ہو گئی۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ ج۲ میں امیرالمومنین کے اس ارشاد کی تشریح میں جو تاریخی حوالے دیئے ہیں ایک جویائے حق کو انھیں بھی نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ ابوالحسن مدائنی کی کتاب الاحداث کے حوالے سے اُنھوں نے دور اموی میں وضع حدیث کے کاروبار پر محققانہ روشنی ڈالی ہے۔ موقع بیان حدیث کے نظر انداز ہونے سے بھی حدیث فہمی میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ بخاری باب البکاء علی المیت میں ہے حضرت عمر کے زخمی ہونے پر صہیب روتے ہوئے اُن کے پاس آئے۔ حضرت عمر نے کہا۔ تم مجھ پر روتے ہو حالانکہ آنحضرت نے فرمایا تھا المیت یعذب ببکاء اھلہ "گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عمر کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ سے اس کا ذکر آیا تو اُنھوں نے موقع کی تصحیح کی اور کہا رسول خدا نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے مومن کی میت پر عذاب ہوتا ہے۔ ہاں یہ فرمایا تھا کہ کافر کے مرنے پر گھر والوں کے اُس پر رونے سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے۔

تیسری قسم کی مثال میں زیارت قبر کی حدیث نظر کے سامنے رکھنی چاہیئے۔ لوگوں نے منسوخ کو سنا ناسخ کی سماعت کے موقع پر موجود نہ تھے۔ نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا "میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا مگر اب اجازت دیتا ہوں۔ زیارت قبور کی نہی کو حکم زیارت سے منسوخ کر دیا۔

امیرالمومنین نے روایت حدیث کے اصول اور درایت کے کلیات و اُصول مختلف موقعوں پر بیان فرمائے ہیں۔ اگر اُن کو ترتیب کے ساتھ درج کر دیا جائے تو اس موضوع کے مسائل کے سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ ایک بار حضرت نے فرمایا:-

السنۃ سنتان۔ سنۃ فی فریضۃ الاخذ بھا ھدی۔ وترکھا ضلالۃ۔

وسنۃ فی غیر فریضۃ۔ الاخذ بھا فضیلۃ وترکھا غیر خطیئۃ

(خصائل صدوق قمی ۲۵)

"سُنّت کی دو قسمیں ہیں ایک فرائض میں سُنّت۔ اس سُنّت پر عمل کرنا ہدایت ہے اور اس کا ترک گمراہی ہے۔

دوسرے غیر فرائض میں سُنّت۔ اس سُنّت پر عمل کرنا فضیلت ہے مگر اس کا ترک کرنا گناہ بھی نہیں ہے۔"

اسناد کی ضرورت

سب سے پہلے حضرت علیؑ نے حدیث میں اسناد کی اہمیت پر توجہ دلائی۔ فرمایا:

اذا حدثتم بحدیث فاسندوہ الی الذی حدثکم۔ فان کان حقا فلکم، وان کان کذبا فعلیہ۔ (اصول کافی کتاب العلم ص۲۹)

"جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو بیان کرنے والے کا تذکرہ بھی کردو۔ ایسی صورت میں اگر یہ حدیث صحیح ہوگی

تو اس کا اجر تم کو ملے گا اور اگر جھوٹی ہوگی تو تم سے بیان کرنے والے پر عذاب ہوگا۔"

درایت کی اہمیت درایت صحت حدیث کی کسوٹی ہے۔ اُس پر بار بار حضرت علیؑ نے توجہ دلائی۔ ایک موقع پر فرمایا:

"همّة الفقهاء الرواية وهمّة العلماء الدراية

"دینداروں کا کام روایت ہے اور علماء کا کام درایت ہے۔"

(بحار مجلسی۔ ہدیۃ المحدثین۔ حاج اکبر علی ایرانی)

حضرت علیؑ فرماتے تھے۔ اعقلوا الخبر اذا سمعتموه عقل رعاية لا عقل رواته قال النبی رواة العلم كثير و رواة قليل (بحار ہدیۃ المحدثین ص۲۸)

اس قدر جلد حالات بدل گئے۔ دیانت و امانت کا ایسا قحط پڑ گیا کہ سماج نے اہل نظر میں اپنا اعتبار کھو دیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت علی جب کسی کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنتے تو اُس سے حلف لیتے۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج۱ ص۱ حضرت علیؑ کا ایک بیان مذکور ہے۔ اذا حلف صدقته۔ راوی جب قسم کھاتا تھا تو میں اس کی حدیث کی تصدیق کرتا تھا۔

امیر المومنین کی اس احتیاط نے ایک روایت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کبھی کبھی شیوخ روایت ثقہ ہونے کے باوجود حلف کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے تھے تاکہ سامع کو پورا پورا یقین ہو جائے۔ (فتح المغیث سخاوی ص۲۶۶)

حضرت علی حدیث کے دور و تکرار کی بھی تاکید فرماتے تھے تاکہ ہر عہد میں حفاظت و استفادۂ حدیث کا سلسلہ جاری رہے۔ علماء حدیث و درایت نے آپ کا ارشاد محفوظ رکھا ہے۔

تذاکروا الحدیث فانکم ان لم تفعلوا یندرس (ج۱ ص۹۵ مستدرک حاکم)

"احادیث کا برابر مذاکرہ کرتے رہا کرو مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اس میں غفلت ہوئی تو علم حدیث عقب ماندہ ہو جائے گا"

دارمی (   ) نے لکھا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے۔

تزاوروا و تذاكروا الحدیث و لا تترکوہ لا یدرس۔

(سنن دارمی ص۷۹ کنز العمال متقی $\frac{۲۴۲}{۵}$)

"احادیث کا مذاکرہ کیا کرو۔ اس کی مزاولت برقرار رکھو تاکہ یہ کہنہ نہ ہونے پائے۔"

حافظ سخاوی نے حضرت علیؑ کے اس ارشاد کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

تذکروا هذا الحدیث۔ ان لا تفعلوا یدرس (فتح المغیث سخاوی ص۲۳۱)

"حدیث کا مذاکرہ کرتے رہو ورنہ یہ علم مٹ جائے گا۔"

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کا عام اعلان تھا کہ احادیث منکرہ و واہیہ کو نہ بیان کرو۔ البتہ صحیح حدیثیں ضرور بیان کرو۔

زجر الامام علی عن رواية المنكر و حث على التحدیث المشهور (تذکرہ $\frac{۱۲}{۱}$)

حضرت علیؑ اپنے صحیفے سے بھی حدیثیں پڑھ کر سناتے تھے۔ (بخاری کتاب الجہاد۔ مسلم۔ ج۱)

اس طرح حضرت علیؑ نے احکام قضاء کی حدیثیں بھی جمع کی تھیں جو کتاب قضایا کے نام سے موسوم تھیں۔ (مقدمہ مسلم ۱)

حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں خاص طور پر آپ سے حدیثوں کی روایت بہت کی گئی۔ اپنے منصب کی بنا پر آپ کو عوام کے معاملات اور قضایا کے سلسلے میں احادیث

نبوی کی روشنی میں فیصلے کی ضرورت پڑا کرتی تھی (منتخب کنز العمال ملا علی متقی ہندی ۴۱/۵)

رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو سب سے بڑے قاضی کی سند دی تھی۔

حضرت عمر اپنے عہد میں حضرت علی کے قضائی، قیاسی کے اعتراف کے سلسلے میں کہتے تھے: "اقضانا علی"

عبداللہ ابن عمر بھی اپنے باپ کے اعتراف کی تعبیر اپنے الفاظ میں یوں کرتے تھے:۔

"کُنّا نتحدّث ان اقضیٰ اھل المدینۃ علی بن ابی طالب"

(استیعاب ابن عبدالبر ۲/۶۱)

"ہمارے درمیان یہ چرچے رہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں علیؑ سب سے بڑے قاضی ہیں۔"

حافظ سخاوی نے (فتح المغیث ص ۲۷۹) میں سب سے زیادہ فتویٰ دینے والوں میں سات آدمیوں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں حضرت علیؑ کا نام بھی ہے۔ یوں تو کبھی جس دور میں ہوتا ہے معاصرین کی فہرست میں اُس کا نام آتا ہے۔ مگر حضرت دور اور عہد سے بہت اونچے تھے۔ وہ ایک آفاقی انسان تھے۔

ابن عباس کہتے تھے علم کے دس حصوں میں سے نو حصوں کے علیؑ تنہا مالک ہیں۔

عطا کا قول تھا۔ اصحاب میں حضرت علیؑ کی برابری کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ (استیعاب ۲/۴۶۱)

حضرت علیؑ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو وہاں آپ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی۔

ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے:۔

"وانّما انتشر علم علی وفقهه فی الکوفة"

(منہاج ۴/۱۴۳)

"اس میں کوئی شک نہیں کہ علیؑ کا علم اور اُن کی دینی بصیرت کوفہ میں باقاعدہ پھیل گئی تھی۔"

ابن حزم اندلسی نے لکھا ہے۔ حضرت علیؑ کے فتاویٰ سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے

میں بانکسار عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی حقیر کوشش سے ایک کتاب فقہ علی کے نام سے تیار کر لی ہے جس میں تمام ابواب فقہ میں حضرت علیؑ کے ارشادات جمع کر دیئے ہیں۔

علامہ ذہبی نے محدث یعقوب بن شیبہ کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

"بلغنی ان مسند علی له خمس مجلّدات" "مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسند علیؑ کی پانچ جلدیں ہیں۔"

(تذکرہ ۲/۱۱۵۔ فتح المغیث ۳۲۲)

جمہور کے "مجامع" حدیث میں حضرت علی کی پانچ سو چھتیس (۵۳۶) حدیثیں درج ہیں۔

(تلقیح فہوم اہل الاثر ۱۸۴)

شیعوں کے مصادر میں حضرت علیؑ کی روایات بہت ہیں۔ اُن کا ابھی شمار نہیں ہوا ہے۔

شیعوں کے مصادر ہوں یا جمہور کے۔ بغیر درایت کے کسی حدیث کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کا مسند

(۱) احمد بن نوح بن علی بن عباس بن نوح سیرافی نے اپنی کتاب المصابیح فی ذکر من روی عن الائمۃ لکھی تھی۔ اس میں حضرت علیؑ سے روایت کرنے والے راویوں کا بھی ذکر ہے۔

(۲) حافظ یعقوب بن شیبہ بصری م ۲۶۲ھ نے مسند علی پانچ جلدوں میں تیار کی تھی۔ (مفتاح السنۃ محمد عبد العزیز ص ۱۹۳)

یعقوب بن شیبہ شیعہ نہیں ہیں، مسلک جمہور کے عالم ہیں مگر انھوں نے مسند امیر المومنین ترتیب دیا تھا۔ مسند عمار بن یاسر بھی تیار کیا تھا۔ (رجال نجاشی ۲۱۴)

(۳) ابو احمد عبد العزیز بن احمد بن عیسیٰ جلودی ازدی بصری امامی نے مسند امیر المومنین ترتیب دیا تھا (رجال نجاشی ص ۱۶۷) اس کتاب میں اُن راویوں کا ذکر تھا جو صحابیٔ رسول تھے اور اُن کو حضرت سے روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی (۱۶۸۔ نجاشی)

(۴) ابن عقدہ م ۳۳۲ھ (احمد بن محمد بن سعید ہمدانی) نے اکثر ائمہ اہلبیت کے روایات پر کتابیں لکھی تھیں۔ امیر المومنین کے راویان حدیث پر بھی ایک کتاب لکھی تھی۔

(۵) نجاشی نے (ص ۳۱۴) میں مسند عمر بن ابی طالب کا پتہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں حضرت علیؑ ہی سے روایت کی گئی ہوگی۔

(۶) ابو جعفر محمد بن علی بن موسیٰ بن بابویہ قمی رازی نے تمام معصومین کے راویوں پر "کتاب المصباح" میں روشنی ڈالی تھی۔ اس میں اُن راویوں کا بھی ذکر تھا جو حضرت علیؑ سے روایت کرتے تھے۔

محمد بن عبد اللہ خطیب ابن محمد "اسماء رجال المشکوٰۃ" میں لکھتے ہیں:۔

"ابو الحسن امیر المومنین علی بن ابی طالب قرشی اکثر اقوال کے مطابق ذکور میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ رسول خداؐ کی تمام جنگوں میں شریک رہے صرف تبوک میں شریک نہ ہو سکے۔ رسولِ خداؐ نے انھیں اپنے متعلقین کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اس موقع پر فرمایا تھا: الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ" روی عنہ بنوہ الحسن و الحسین و محمد و خلائق من الصحابۃ و التابعین (اسماء رجال المشکوٰۃ قلمی)

امیر المومنینؑ کی چند مُسند حدیثیں

کافی کلینی میں جناب رسولِ خدا کی جو حدیثیں امیر المومنین کے توسط سے مذکور ہیں اُن میں بڑا حصّہ تو وہ ہے جن کی روایت ائمۂ طاہرین اپنے اپنے دور میں کرتے رہے اور جس امام نے اپنی مسند میں امیر المومنین کا نام لیا ہے وہ حدیث انھیں امام کے مسند میں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر صرف وہ حدیثیں درج کی جارہی ہیں جنھیں امیر المومنین سے کسی دوسرے نے سُنا ہے۔

علم

اسلام کی نظر میں علم اللہ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ دنیا ہو یا آخرت زندگی علم ہی سے سنورتی ہے۔ اسلام نے علم کے تمام گردوپیش پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کی تحقیق۔ اُس کے استعمال اور تعلیم و تدریس کے تمام گوشوں کو اُجاگر کیا ہے۔

(۱) سلیم بن قیس ہلالی۔ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جناب رسول خداؐ نے اپنی ایک گفتگو میں فرمایا:۔

"العلماء رجلان۔ رجل عالم اخذ بعلمه فهذا ناجٍ

ورجل تارك لعلمه فهذا هالك

وان اهل النار ليتأذون من ريح العالم التارك لعلمه وان اشد اهل النار ندامة وحسرة رجلٌ دعا عبد الله فاستجاب له وقبل منه۔ فاطاع الله۔ فادخله الله الجنة وادخل الداعي النار بترك علمه واتباعه الهوى فيصدّه عن الحق۔ وطول الامل ينسي الآخرة

(کتاب العلم باب استعمال العلم)

(ترجمہ) "عالم دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ یہ ناجی ہے۔

دوسرا وہ جو اپنے علم پر عمل کو چھوڑ بیٹھا ہے۔ یہ ہلاک ہوگا۔ اہلِ جہنم بے عمل عالم کی بدبو سے پریشان ہو جائیں گے۔

جہنمیوں میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت اُسے ہوگی جس نے کسی بندۂ خدا کو دعوتِ حق دی اُس نے اُسے قبول کر لیا۔ خدا کی اطاعت کی اور اللہ نے اُسے داخلِ جنت کیا اور خود داعی بے عمل خواہش کی پیروی، لمبی آرزو اور آخرت فراموشی کی وجہ سے داخلِ جہنم کیا۔ خواہش پرستی کے بعد حق بیزاری پیدا ہوجاتی ہے اور جو لمبی لمبی آرزو ں کے جال اپنے گرد تن لیتا ہے اُسے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ آخرت کے انجام کا خیال اُس کے ذہن کو پریشان کرے اور وہ اُس سخت دن کے لئے کچھ کرے۔

—— عالم بے عمل کا انجام بڑا ہی عبرت خیز وافسوسناک ہے۔ اس کے ساتھ روشنی ہے مگر ٹھوکر کھاتا ہے۔ کشتی ہے مگر ڈوب جاتا ہے۔ زہر کو زہر جانتا ہے مگر کھا جاتا ہے۔ اسی لئے عالم بے عمل کی شریعت میں سخت مذمت آئی ہے۔

(سند۔ سلیم بن قیس ہلالی۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ۔ عن حماد بن عیسیٰ۔ عن عمر بن اذینہ۔ عن ابان بن عیاش عن سلیم بن قیس الھلالی)

اس حدیث میں عالم با عمل اور بے عمل کا ذکر تھا۔
دوسری حدیث میں اس کی اور تشریح ہے۔ اس کے راوی
بھی سلیم بن قیس ہیں (۱) سلیم کہتے ہیں۔ میں نے امیرالمومنین
کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسولخدا نے فرمایا:۔

" منهومان لا یشبعان۔ طالب دنیا
وطالب علم۔
فمن اقتصر من الدنیا علی ما احل الله
له سلم" ومن تناولها من غیر حلها هلك
— الا ان یتوب۔ ویراجع — ومن اخذ
العلم من اهله وعمل بعلمه نجا۔ ومن اراد
به الدنیا فهی حظه۔

(اصول کافی کتاب العلم ص۲۵)

" دو بھوکے کبھی سیراب نہیں ہوتے — طالب دنیا
اور طالب علم۔ (طالب علم میں بے سیری ممدوح ہے) جو
دنیا میں حلال پر اکتفا کرے گا وہ محفوظ رہے گا۔ اور جو
حرام میں آلودہ ہوگا اگر توبہ نہ کرے گا تو ہلاک ہوگا۔ جو
اہل علم سے علم کو تحصیل کرے گا اور اپنے علم پر عمل بھی
کرے گا نہ ناجی ہوگا اور جو علم سے دنیا طلبی کرے گا
تو یہی اس کا حصہ ہوگی۔" (آخرت میں ناکام ہوگا)۔

(سند۔ محمد بن یحییٰ۔ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ۔ و
علی بن ابراہیم عن ابیہ جمیعا۔ عن حماد بن عیسیٰ۔ عن عمر
بن اذینہ۔ عن ابان ابن ابی عیاش عن سلیم بن قیس

دوستی

اسلام میں دوست کے انتخاب میں کافی
احتیاط و بصیرت سے کام لینے کی ہدایت
کی گئی ہے۔

ابو الزعلی نے امیرالمومنین کی ایک مسند حدیث
کی روایت کی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جناب رسولخدا نے
ارشاد فرمایا

انظروا من تحادثون
فانه لیس من احد ینزل به الموت الا
مثل له اصحابه الی الله — ان کانوا خیارا
فخیارا۔ وان کانوا شرارا فشرارا۔
ولیس احد یموت الا تمثلت له عند موته۔

(کتاب العشرة اصول کافی)

" سوچو! تم کن لوگوں سے بات چیت کرتے ہو۔
جب کوئی مرتا ہے تو اس کے دوستوں کی مثالی صورت
اس کے پاس لائی جاتی ہے (اور روز حساب تک ساتھ
رہتی ہے) اگر دوست اچھے تھے صورت مثالی بھی اچھی
ہوگی اور اگر دوست برے تھے تو مثالی صورت بھی بری
ہوگی۔ جو مسلمان بھی مرتا ہے میں مثالی صورت میں اس کے
پاس آتا ہوں (اگر مرنے والا مومن ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے
اگر منافق ہوتا ہے تو اپنی حالت پر اسے افسوس ہوتا ہے)

(سند۔ عنه۔ عن محمد بن علی۔ عن موسی بن سعدان القماط
عن المسعودی۔ عن ابی داؤد۔ عن ثابت ابن ابی صخر۔ عن
ابی الزعلی غفلت کو اگر منظم پڑھا جائے تو فانه لیس
من احد ینزل سے عند موته تک امیرالمومنین کا
کلام ہوگا۔ پوری حدیث رسولخدا کا کلام بھی ہو سکتی ہے
(مشرح کتاب العشرة للخلیل جز ہفتم باب سوم)

صبر اور اس کے اقسام

امیرالمومنین نے فرمایا جناب رسولخدا نے
ارشاد فرمایا:۔

الصبر ثلاثة۔ صبر عند المصیبة وصبر
علی الطاعة وصبر علی المعصیة۔ فمن صبر علی
المصیبة حتی یردها بحسن عزائها کتب الله
له ثلثمائة درجة۔
درجة ما بین الدرجة الی الدرجة۔ كما
بین السماء الی الارض۔ ومن صبر علی الطاعة
کتب الله له ستمائة درجة۔ ما بین الدرجة

الی الدرجة . کما بین تخوم الارض الی العرش
ومن صبر عن المعصیة کتب الله له
تسعمأة درجة ما بین الدرجتین الی الدرجة
کما بین تخوم الارض الی منتهی العرش
(کتاب الکفر والایمان . اصول کافی)

(ترجمہ) "صبر کی تین قسمیں ہیں :- (۱) صبر مصیبت کے وقت (۲) صبر اطاعت پر (۳) صبر معصیت پر.

جو مصیبت پر صبر کرتا ہے اور بہتر طریقہ سے اسے برداشت کرتا ہے ، اللہ جنت میں اُس کے لئے تین سو درجے مقرر کرتا ہے . ایک درجے سے دوسرے درجے میں اتنا فاصلہ ہو گا جیسے آسمان و زمین میں . ـــ اور جو اطاعت پر صبر کرتا ہے ، خدا اُس کے چھ سو درجے مقرر کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے میں اتنا فاصلہ ہو گا جتنا زمین کی گہرائی سے عرش کا فاصلہ ہے .

اور جو معصیت پہ صبر کرے گا اللہ اُس کے لئے ۹ سو درجے مقرر کرے گا . ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گا جتنا زمین کی گہرائی سے منتہائے عرش کا فاصلہ.

(سند . محمد بن یحییٰ . عن احمد بن محمد بن عیسیٰ . قال اخبرنی یحییٰ بن سلیم الطائفی . قال اخبرنی عمرو بن شمر الیمانی یرفع الحدیث الی علی علیہ السلام حدیث مرفوع سے وہ حدیث واحد مراد ہے جس میں معصوم سے نقل کرنے والا راوی مذکور نہ ہو . اور دورِ حدیث اصطلاح متاخرین میں خبر ضعیف سے ملحق ہے . تخوم . ت مفتوح خ مضموم)

روحانی قوت دفاع

مصیبت میں صبر ، یا اللہ کی اطاعت میں ثبات . یا گناہ سے گریز . خواہشات کا مقابلہ . ان تمام معرکوں سے انسان اگر کامیاب گزر جاتا ہے تو اُس میں جسمانی و روحانی دونوں قسم کی طاقت اُبھرتی ہے .

صابر میں ہمت و جراُت و ثبات و استقلال و عزم و ارادہ کے اعلیٰ صفات پیدا ہو جاتے ہیں.

اسلام انسان کو قوت و طاقت سے مسلح کرنا چاہتا ہے تاکہ انسان بُرائی کا مقابلہ کرے اور اپنے نفس کی ادنیٰ خواہشوں پر فتح پائے اور سماج سے بُرائیوں کو ختم کرنے کے لئے جدو جہد کرے . اگر جسم و رُوح طاقت ور نہیں ہیں تو نہ خود انسان اچھا انسان بن سکتا ہے اور نہ وہ سماج میں نیکی کے قیام کے لئے کوئی بڑا قدم اُٹھا سکتا ہے . اسی لئے اسلام نے صبر کا ایک وسیع تصور پیش کیا ہے جس میں انسان کی اخلاقی و ذہنی تعمیر اور نفس کی تخریب سے تحفظ کے تدابیر بتائے ہیں .

یہ مختصر حدیث تو صبر کے ایک عظیم ادارہ کی طرف صرف ایک اشارہ ہے . صبر کے متعلق قرآن و سُنّت میں جو ہدایتیں ہیں وہ سب کے سامنے رکھی جائیں . انفرادی ، سماجی اور روحانی صحت کی بقا اور امراض باطنی کے ازالے کے لئے نہایت اعلیٰ ہدایتیں ملتی ہیں .

پریشانی کے طوفان میں پھنس کر انسان اپنے ہوش و حواس کھو دیتا ہے اور وہ بے صبری و نا اُمیدی میں مبتلا ہو کر اور بہت سی نئی پریشانیاں بڑھا لیتا ہے .

سچے مسلمان کو یہ تاکید ہے کہ وہ مصیبتوں سے مرعوب نہ ہو . اور پریشانیوں کے قبضہ میں چلا جائے . مایوس ہو کر سپر انداختہ نہ ہو جائے . مخالف طاقت باطل کی قوت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو لیکن اگر حکیم و قادر و مہربان خدا سے لَو لگی رہے تو ایسے قدرتی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ مصیبت کے بادل چھٹ جاتے ہیں . اور ظالم و باطل مقہور و مغلوب ہو جاتا ہے .

بکیر کہتے ہیں . میں نے امیرالمومنین کو فرماتے ہوئے سُنا کہ رسولخدا نے مجھ سے فرمایا .

یا علی الا اعلمک کلمات اذا وقعت فی ورطة

او دایت نقل،

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم — فان اللہ یصرف بہا عن ما یشاء من انواع البلاء

(اصول کافی کتاب الدعا ص ۲۴)

"اے علی کیا میں تمھیں اُن کلمات کی تعلیم نہ دوں کہ جب تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ تو یہ کہو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس فقرہ کے زبان پر جاری کرنے سے اللہ تم سے ہر قسم کی بلاؤں کو دور کر دے گا۔"

(سند۔ ابو علی الاشعری۔ عن محمد بن سالم۔ عن احمد بن النضر۔ عن عمر بن شمر۔ عن یزید بن مرہ۔ عن بکیر۔)

معیاری عورت

عورت سماجی زندگی کا ایک نہایت اہم عنصر ہے۔ انسانی ارتقاء زندگی میں عورت کے اچھے بُرے صفات بھی بہت اثر انداز ہوتے ہیں — اس لئے اسلام نے عورت کے دونوں طرح کے صفات پر نظر رکھی ہے تاکہ وہ گھر کی بہترین نگہبان اور اپنے شوہر کی بہترین شریک زندگی اور اپنے اولاد کی بہترین مربی ثابت ہو۔

(۱۳) حرث بن اعور کہتے ہیں امیر المومنین نے فرمایا کہ رسول خدا نے فرمایا:۔

خیر نسائکم نساء القریش۔ الطفہن بازواجہن وارحمہن باولادہن — المجون لزوجہا الحصان لغیرہ (قلنا وما المجون۔ قال التی لا تمنع)

(کتاب النکاح فروع کافی ۱۳۱/۲)

"تمھاری بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ بہت لطیف مزاج، اپنی اولاد کے ساتھ بہت رحیم، اپنے شوہر سے بے تکلف۔ شوہر کے علاوہ دوسرے سے محفوظ۔ راوی نے پوچھا مجون سے کیا مراد ہے۔ جو اپنے شوہر کو قضاء حاجت سے روکتی نہیں۔

(سند۔ عدۃ من اصحابنا۔ عن احمد بن ابی عبداللہ البرقی۔ عن غیر واحد۔ عن زیاد القندی۔ عن ابی وکیع۔ عن ابی اسحاق السبیعی عن الحرث)

تربیت اولاد

اسلام کی نظر میں کائنات میں انسان کا بہت بڑا مقام ہے اور انسان کی ذمہ داریاں بھی بہت ہیں۔ اُس کو اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح سبکدوش ہونے کے لئے بہترین وراثتی صفات۔ بہترین وسائل زندگی اور بہترین ماحول کی ضرورت ہے۔ تربیت اولاد کے سلسلے میں اسلام کا نظام تربیت بہت وسیع دار اور حکیمانہ ہے۔ انسان کی ولادت سے پہلے بھی وہ وراثتی صفات کے ذریعہ سے اچھے ماں باپ کے انتخاب پر زور دیتا ہے۔

والدین کی غذا، لباس اور روزانہ کے معمولات پر توجہ دیتا ہے۔ ولادت کے بعد اچھا ماحول تیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

(۱۴) امیر المومنین فرماتے ہیں۔ رسول خدا نے فرمایا

لیکن اول ما تاکل النفساء الرطب۔ فان اللہ قال کریم

(وھزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطبا جنیا) (۲۶/۲۴) مریم

قیل: یا رسول اللہ۔ فان لم یکن اوان الرطب

قال: سبع تمرات المدینۃ۔ فان اللہ یقول وعزتی وجلالی وعظمتی وارتفاع مکانی لا تاکل نفساء یوم تلدہ الرطب۔ فیکون غلاما الا کان حلیما۔ وان کانت جاریۃ کانت حلیمۃ"

(کتاب العقیقۃ فروع کافی ۲۶/۲)

"زچہ سب سے پہلے تازہ کھجور کھائے اللہ نے حضرت سے فرمایا تھا۔ درخت کھجور کی شاخ کو ہلاؤ تازہ کھجور گرے گی۔ پوچھا گیا کہ اگر تازہ کھجور کا زمانہ نہ ہو تو فرمایا

سات پھوہارے ملینے گے۔ اللہ (حدیث قدسی میں)
فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت، جلال و عظمت و بلندی مقام
کی قسم! ولادت کے وقت جب زچہ تازہ کھجور کھائے گی
تو بچہ حلیم ہوگا اور اگر لڑکی ہوگی تو وہ حلیمہ ہوگی۔"

(سند۔ عدہ من اصحابنا۔ عن احمد بن محمد
بن خالد۔ عن عدۃ من اصحابہ۔ عن علی۔ بن
اسباط۔ عن عمر یعقوب عن سالم رفعہ الی
امیرالمومنین)

پیدائش کے پہلے تو والدین کو غذا وغیرہ کے ذریعے
اچھی اولاد کے لئے کوشش کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ولادت کے
بعد زندگی کے معرکوں کو سر کرنے کے لئے ضروری تربیت کی
کافی ہدایتیں دی ہیں۔ پہلے زمانے میں مہذب انسان کو تیراکی
اور تیراندازی وغیرہ کی تربیت دی جاتی تھی اور اسلام ان
فنون کی زبردست حمایت کرتا تھا۔ آج تیراکی میں ہوائی پرواز
اور تیراندازی کی جگہ ایٹمی طاقت سے واقفیت نے لے لی
ہے اور یہ واقفیت اُس حدیث کے مفہوم میں داخل ہے
حضرت علیؑ فرماتے ہیں رسولخداؐ نے فرمایا۔
علموا اولادکم السباحۃ والرمایۃ
(کتاب العقیقہ ۲۷۶/۲)
"اپنی اولاد کو تیراکی اور تیراندازی سکھاؤ"
(سند۔ علی بن اسباط۔ عن عمر یعقوب بن سالم
رفعہ)۔

چوپائے ہمارے مددگار
چوپایوں کے ساتھ مہربانی
ہیں۔ ہمارے آرام
و آسائش میں اُن کی بڑی اہمیت ہے۔ اُن کی دیکھ بھال
کی اسلام نے بڑی ہدایت کی ہے۔ ان پر ضرورت سے زیادہ
بوجھ لادنے کی سخت ممانعت کی ہے۔ جانوروں سے بے رحمی
کے طریقوں کا انسداد کیا۔ جانوروں کو کسی چیز میں باندھ
کر نشانہ بازی کی مشق سے روکا۔ حضرت نے فرمایا جس چیز
میں روح ہو اُسے نشانہ نہ بنایا جائے۔ وحشی عرب زندہ
اونٹ کے کوہان کاٹ کر کھا جاتے۔ حضرت نے فرمایا زندہ
جانور کا جو گوشت کاٹا جاتا ہے وہ مُردار ہے۔
(ترمذی باب قطع منا وفا الحی)
"بلا ضرورت کسی جانور کو مار ڈالنا گناہ ہے"
(مستدرک حاکم ۱۸۴/۲)
فرمایا جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں اور وہ درندے
بھی نہیں ہیں اُنھیں بلا ضرورت نہ مارا جائے۔
(مسلم کتاب الصید)
جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں اُن کے ذبح میں نرمی
کا حکم ہے۔
(مسلم کتاب الصید)
بے ضرورت نشانہ بنانا تو بڑی سخت دلی اور وحشت ہے
اسلام تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کسی جانور پر تین آدمی لد
جائیں۔ حضرت علی کو مسند حدیث میں رسولخدا فرماتے تھے۔
(۲) لا یرتدف ثلاثۃ علی دابۃ فان احدھم
ملعون
(کتاب الدواجن فروغ کافی ۱۸۷/۲)
کسی چوپائے پر تین آدمی نہ سوار ہو جاؤ ورنہ اُن میں
سے ایک ملعون قرار پائے گا۔
(سند۔ عدۃ من اصحابنا۔ عن احمد بن ابی عبداللہ۔ عن
عدۃ من اصحابنا۔ عن علی بن اسباط۔ عن عمر یعقوب بن سالم
رفعہ۔)

اسلام دنیا کی جائز
حرص دنیا کی تباہ کاری
نعمتوں سے لطف اندوز
ہونے سے نہیں روکتا بلکہ خوشحالی اور پرلطف زندگی کے
لئے کوشش کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔
لیکن دنیا سے اندھی محبت اور لالچ کی حد تک لگاؤ

کا سخت مخالف ہے۔ دولت و ثروت خود مقصود نہیں ہے
بلکہ نیکی و خوشحالی کا وسیلہ ہے۔

اگر کوئی دولت کو مقصد سمجھ لے اور تمام اخلاقی اقدار
کو ٹھکرا دے، معاشرہ کے حقوق کو نظر انداز کر دے تو اس
سے زندگی اور سماج کو زبردست نقصانات پہنچ سکتے ہیں

اسی لئے اسلام نے حرص دنیا کی شدید مذمت کی
ہے اور اُس کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ معصوم
نے قوموں کے زوال کے اسباب پر اشارہ کرتے ہوئے کہا
ہے کہ وہ دنیا پر فریفتہ ہو کر تمام اعلیٰ اقدار سے بے پروا
ہو گئیں۔

(۱) حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:۔

الدینار والدرهم اهلکا من کان قبلکم
وهما مهلکاکم

(اصول کافی کتاب الکفر والایمان ص۳۳۹)

"تم سے سابق لوگوں کو دینار و درہم نے تباہ کیا۔ وہی
تمھیں بھی تباہ کریں گے۔"

(سند۔ عدة من اصحابنا۔ عن احمد بن ابی عبداللہ
ویعقوب بن یزید۔ عن زیاد القندی۔ عن ابی وکیع۔ عن
ابی اسحاق السبیعی عن الحارث الاعور عن امیرالمومنین۔

بدزبانی

حضرت علیؑ فرماتے ہیں جناب رسولخداؐ نے فرمایا۔ ان اللہ حرم الجنة علی
کل فحاش بذی قلیل الحیاء لا یبالی ما قال
ولا ما قیل له

فانك ان فتشته لم تجده الا لغیة
او شرك الشیطان قیل یا رسول اللہ وفی الناس
شرك شیطان

فقال رسول الله!

اما تقرء قول الله:

وشاركهم فی الاموال والاولاد (۱۵/۴۴)

بنی اسرائیل۔

(اصول کافی کتاب الکفر والایمان ص۳۳۲)

"اللہ نے ہر فحش گو، بدزبان، بےحیا اور اُس پر جو پروا
نہیں کرتا کہ خود اُس نے کیا کہا اور لوگ اُسے کیا کہتے ہیں
جنت حرام کر دی ہے۔ اگر تم اُس کی جانچ کرو گے تو وہ بدنسل
ثابت ہوگا۔ یا شیطانی شریک ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا کیا
انسان کی پیدائش میں شیطان بھی شریک ہو جاتا ہے۔ رسولخدا
نے فرمایا۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔

ان کے مال و اولاد میں شریک ہو گیا۔ (بنی اسرائیل)

(سند۔ عدة من اصحابنا۔ عن احمد بن محمد بن خالد۔ عن
عثمان بن عیسیٰ۔ عن عمر بن اذینہ۔ عن ابان ابن ابی عیاش
عن سلیم بن قیس)۔

غضب الٰہی کی بعض علامتیں

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں جناب رسولخداؐ نے فرمایا:۔

اذا غضب الله علی امة ولم ینزل بها
العذاب غلت اسعارها۔ وقصرت اعمارها
ولم یربح تجارها۔ ولم تزك ثمارها ولم تغزر
انهارها۔ وحبس عنها امطارها وسلط علیها
شرارها

(کتاب المعیشة فروع کافی ۱۲۷)

"جب اللہ کسی اُمت سے ناراض ہوتا ہے اور اُس
پر عذاب نہیں نازل کرتا تو اُس کا نرخ مہنگا کر دیتا ہے۔
اُن کی عمریں کم کر دیتا ہے، اُن کی تجارت میں نفع نہیں
ہوتا۔ اُن کے پھل اچھے نہیں ہوتے۔ اُن کی نہریں جاری
نہیں ہوتیں بارش رُک جاتی ہے۔ اُن کے بُرے آدمی
اُن پر چھا جاتے ہیں" (سند۔ ابو علی الاشعری عن الحسن
بن علی الکوفی عن العباس بن معروف عن رجل عن مندل
بن علی العنزی (العنبری) عن نطرت عن مسمع عن الاصبغ بن نباتہ)

(از سید لطیف الرحمٰن مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ)

کھلنے کا ارادہ کیا ایک ایک کلی نے   کیا بات کہی آکے نسیم سحری نے

کیفیتِ آلام کا ہے ختم زمانہ   ہر رنج کو دنیا سے مٹایا ہے خوشی نے

سوکھا سا نظر آتا تھا اشجار کا عالم   شاداب کیا ابرِ بہار ان کی تری نے

باغوں سے مٹا نام و نشاں فصلِ خزاں کا   رحمت کی نظر کی ہے جنابِ احدی نے

شاداب نظاروں کی عجب شانِ ادا ہے   سبزے کو کیا سبز پری حسن گری نے

اڑتی گئی جہاں خاک ہے واں رنگِ فراواں   منظر کو بڑی داد دی ذوق نظری نے

جنگل میں بہاروں کا جنوں دیکھئے جا کر   بے طور کیا حسن کو بے ضابطگی نے

فطرت نے حسینوں کو بلا خیز کیا اور   بے طرح پریشان کیا دل کی لگی نے

کیا خوب ہے فتنے کو کیا اور بھی فتنہ   خنجر کو کیا تیز تر آراستگی نے

رنگین نگاہوں کو پڑا دید کا لپکا   دیوانہ کیا اور بھی دیوانہ گری نے

اب طالب و مطلوب ہیں اور پریشاں   اب ناک میں دم کر دیا دردِ جگری نے

رازِ دلِ بیتاب زمانے پہ عیاں ہے   پردے کو کیا چاک پریشاں نظری نے

دیکھا جو زمینوں کے ستاروں کا تماشہ   تاروں کو چھپا ور کیا بزمِ فلکی نے

ہر چیز پری بن کے نمایاں ہے جہاں میں   یا خود کو نمایاں کیا اک ایک پری نے